ڈاکٹر رُخسانہ تبسم
شعبہ کشمیری

کشمیری مثنوی کا سفر

شعری اصلاح میں مثنوی اُس بیانیہ نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر شعر ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔ مثنوی کا ماخذ عربی لفظ ''مثنیٰ'' ہے جس کے معانی دو دو کے ہیں۔ عربی ادب میں مثنوی کو 'مزدوجہ' بھی کہتے ہیں۔ اس صنف کا میدان اتنا وسیع وعریض ہے جس میں سینکڑوں کیا ہزاروں کی تعداد میں اشعار سما سکتے ہیں اور موضوعات کی رنگارنگی کی تو بات ہی نہیں۔ مثنوی کو عام طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ رزمیہ اور بزمیہ (عشقیہ)۔

عشقیہ یا بزمیہ مثنویوں کا غالب عنصر دو متضاد اجناس کی آپسی محبت ہے۔ جب کہ اس کے برعکس رزمیہ مثنویوں میں جن جنگی اور بہادرانہ کارناموں کا اظہار ملتا ہے۔

مثنوی کی کہانی کے جو ہیرو یا مرکزی کردار ہوتے ہیں ان کے کارناموں اور اوصاف کا بیان شد و مد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

تواریخی، معاشرتی اور موسموں کے موضوعات پر بھی مثنویاں لکھی جا چکی ہیں، خصوصاً بہاریہ مثنویاں۔ لیکن کبھی کبھار یہ تمام پہلو ایک ہی مثنوی میں بھی سموئے جا سکتے ہیں۔

یونان میں ہومر نے ۵۸۰ ق۔م میں ایلیڈ اور اوڈیسی جیسے شاہکار رزمیے لکھ کر مثنوی صنف کی بنیاد ڈالی۔ چونکہ رزمیے مغرب میں شعراء کا پسندیدہ موضوع رہا ہے اس لئے ان رزمیوں میں یونان کے بہادروں کی بہادری، جرأت مندی، کارناموں، اوصاف اور جنگی معاملات کا ذکر ملتا ہے۔ مثنوی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ظ۔ انصاری لکھتے ہیں:۔

''مثنوی یونان کی نہیں بلکہ ایران کی اختراع ہے''[1]

فارسی شاعری میں مثنوی کے موجد ابوعبداللہ جعفر بن رودکی ہیں۔ رودکی سے پہلے بھی ایران میں مثنوی کی روایت موجود تھی۔ مسعودی مروزی اور ابوالشکور بلخی ایران کے اولین مثنوی نگار تسلیم کیے جاتے ہیں، مگر ان کے کلام کا کوئی بھی اتہ پتہ یا نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔ ابوالموید ایک اور مثنوی نگار گزرے ہیں، جن کا زمانہ رودکی سے بھی پہلے کا تھا۔ ذیل کا اقتباس بھی اس ضمن میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

''ابوالموید بلخی کا نام آج کل کی سبھی ادبی تاریخ[illegible] سند کے ساتھ آتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ابوالموید کی مثنوی ''یوسف زلیخا'' کے چند اقتباسات زمانے کی دست برد سے بچ گئے ہیں۔''[2]

مگر صحیح معنوں میں صنف مثنوی کی ابتداء رودکی ہی سے ہوئی ہے۔ دوسری اصناف سخن کی طرح رزمیہ اور بزمیہ میں اوزان وبحور مقرر کیے ہیں۔ شروع شروع میں ان قواعد وضوابط کی پابندیوں کا خیال بھی رکھا گیا، مگر بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ

مختلف ادوار کے شعراء ان اصولوں کی پاسداری قائم نہ رکھ سکے اور من پسند طریقوں اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر موضوع اور تکنیکی لحاظ سے بھی مثنویوں کے لئے اصول اور ضابطے بناتے بھی گئے اور اپناتے بھی گئے۔

کشمیری ادب میں مثنوی کا ظہور فارسی کے دین ہے۔ کشمیری شاعری میں مثنوی متعارف کرانے کا سہرا محمود گامی کے سر جاتا ہے۔ تاہم یہ بھی قیاس کیا جارہا ہے کہ کشمیری ادب میں مثنوی کی ابتداء چودھویں صدی میں ہی ہوئی، جس کی تائید کرتے ہوئے پروفیسر شفیع شوؔق لکھتے ہیں:۔

> ”مثنوی کا چلن چودھویں صدی ہی سے دیکھنے کو ملتا ہے۔ نُند ریشیؒ کی نظم ”نام حق یا صدوسی مسلہ“ مثبوی کا سب سے قدیم ترین نمونہ ہے۔ اس نظم میں ایک سوتیں شرعی مسائل کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔“[۳]

مثنوی کے آغاز سے متعلق بات کرتے ہوئے جناب ناجؔی منور لکھتے ہیں:۔

> ”کچھ عرصہ قبل پرانے کاغذ پر ٹوٹی پھوٹی کشمیری میں لکھی گئی ایک نامکمل مثنوی دستیاب ہوئی ہے۔ مثنوی کے آخر میں سال تحریر بھی درج ہے۔ مرقوم بتاریخ دہم صفر المظفر وقت عصر درمیان عشق و نشاط ۸۱۵ تحریر یافت“ اگر یہ تاریخ درست مان لی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مثنوی کا رواج واضح طور پر نُند ریشی کے زمانے سے ہی شروع ہو چکا تھا“۔

ناجی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''محمود گامی سے تقریباً پچاس سال پہلے ایک اعلیٰ پایہ کے علمی خاندان بیہقی خاندان کا چراغ روشن ہوتا ہے۔ اس خاندان کے میر محمد عبداللہ بیہقی نے بہت سی کتابیں فارسی زبان میں لکھیں۔ دو منظوم کتابیں کشمیری زبان میں تحریر کیں۔ اس بنیاد پر میر عبداللہ بیہقی کو پہلا مثنوی گو شاعر تسلیم کرنا پڑے گا۔''[۴]

ان دونوں قلم کاروں کی آراء سے متفق نہ ہوتے ہوئے جناب غلام نبی خیال رقمطراز ہیں:۔

> ''بزمیہ مثنویاں کشمیری شاعری کے تیسرے دور سے تعلق رکھتی ہیں، جو محمود گامی کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ محمود گامی اس صنف کو متعارف کرانے کے پیشرو ہیں۔''[۵]

یہ صنف چند گنے چُنے افراد تک ہی محدود رہنے کے بعد اس وقت تک پس پُشت رہتی ہے یہاں تک کہ محمود گامی کا دور آتا ہے۔ اُنیسویں صدی عیسوی میں محمود گامی اس صنف کو نئے سرے سے ایک وقار، انداز اور نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ یہ دور فارسی زبان و ادب کے عروج و جاہ کا دور ہوتا ہے۔ اسی اثر کے تحت محمود گامی نے بہت سی فارسی مثنویاں کا کشمیری زبان میں ترجمہ کر کے اس صنف کو کشمیری شعر و ادب کی مقبول ترین صنف بنا دیا۔

''شیریں خسرو''، ''یوسف زلیخا''، ''قصہ شیخ صنعان''، ''منصور نامہ'' اور ''پہلی نامہ'' جیسی مثنویوں میں ایسا مقامی رنگ بھر دیا کہ خود محمود گامی کی تخلیق کردہ مثنویوں کا گمان ہوتا ہے۔

نادلایے میانۂ یوسفوولو

محمود گامی کے بعد اس صنف کو ولی اللہ متو ''ہی مالہٰ گی رائے''، ناظم ''زین العرب'' جس کا ماخذ فرید الدین عطار کا ''الٰہی نامہ'' ہے، سیف الدین تارہ بلی ''وامق عذرا'' پرکاش بٹ ''رامائن''، رسول میر ''زیبا نگار'' [جس کا کوئی نشان ابھی تک بدست نہیں آیا ہے] ظریف شاہ اور خان جنہوں نے ولی اللہ متو کی مثنوی ہی مالہٰ گی رائے کے گانے لکھے ہیں۔ مقبول امرتسری منصور، اور پہلی نامہ اور یوسف زلیخا مثنویاں لکھ کر کشمیری شعروادب کے دامن کو کشادہ کیا۔

مقبول شاہ کرالہ واری محمود گامی کے بعد وہ مثنوی گو ہیں جنہوں نے ''گلریز'' جیسی شہکار مثنوی لکھ کر کشمیری ادبی تواریخ کو ابدیت بخشی۔ حالانکہ نخشی کی ''گلریز'' کو فارسی ادب میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ مگر مقبول شاہ کرالہ واری نے جاندار مکالمے، شاندار الفاظ، پُرکشش نظارے، منفرد انداز بیان، پُرقوت جذبات نگاری، دل پسند گانے لکھ کر مثنوی کو کشمیریت کے سانچے میں ڈال کر مستعاری کی پہچان ہی مٹا ڈالی۔

صبح پھِلِ بُلبُلو تِلِ شورِ غوغا گیس بیدار مژہ ربم چشمِ شہلا

مقبول شاہ نے اور بھی مثنویاں جیسے ''بہار نامہ''، ''پیر نامہ'' اور ''گریسی نامہ'' لکھیں مگر وہ تا ابد ''گلریز'' مثنوی کے حوالے سے ہی جانے جائیں گے۔

مثنوی کا دوسرا دور ۱۸۴۶ء سے شروع ہوتا ہے۔ سری مہاراجہ پرتاب سنگھ کے دور میں سر والٹر لارنس کی رہنمائی میں مشن اسکول، مشن اسپتال اور ایس پی کالج کا وجود عمل میں آیا۔ یہی وہ دور تھا جس میں ملازمتوں کے لئے اسٹیٹ سبجیکٹ کو لازمی قرار دیا گیا۔ تفریحی مقامات کی طرف خاص توجہ مبذول کی گئی۔ اس سے لوگوں میں اعتماد کی فضا قائم ہونے لگی ورنہ حکومت کی طرف سے مختلف نوعیّتوں کے ٹیکس وصولتے وصولتے لوگوں کا قافیہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ لوگوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کے لئے اس دور کے شاعروں نے مثنوی کو ہی اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ اُس دور میں بزمیہ کے بجائے زیادہ تر رزمیے لکھے گئے۔ ان رزمیہ نگاروں میں لکھمن جو بُلبل ''سام نامہ'' انہی کا لکھا ہوا رزمیہ ہے، جس کا ماخذ فردوسی کا ''شاہنامہ'' ہے (شاہنامہ فردوسی)۔ بُلبل کے امیر شاہ کریری نے بھی ''سام نامہ'' لکھا۔ ماخذ ابن حسام کا ''خاور نامہ'' ہے۔ عبدالوہاب حاجنی نے ''شاہنامہ'' اور قصہ بہرام گور'' لکھے۔ اس کے علاوہ ''شکل و شمائل آنحضرتؐ''، ''اکبر نامہ''، ''نونہال گُلبدن''، قصہ مکرزن''، ''سلطانی'' اور ''خلافت نامہ'' لکھ کر کشمیری زبان و ادب کے دامن کو کشادہ تر کیا۔

مقبول شاہ نے اپنے والد صاحب امیر شاہ کریری کا ادھورا چھوڑا ہوا ''خاور نامہ'' تکمیل تک پہنچایا۔ مقبول شاہ نے تفسیر قرآن مجید بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ''ظفر نامہ'' اور جنگ علقم''، کشمیری ادب کے لئے مقبول شاہ کی دین ہے۔

پیر غلام محمد حنفی نے ''ہزار داستان''، ''گُل صنوبر''، ''حبہ خاتون''، ''بہشت بہشت''، ''بوستان کشمیر'' ''ملہ نامہ''، ''کرامات اولیاء''، ''تفسیر قرآن مجید''، ''وفات نامہ''

تصانیف لکھیں۔ اس بسیار گو شاعر کے یہ تحریری تحائف کشمیری ادب کے لئے نہایت انمول ہیں۔

علی شاہ، زین العرب، جنگ امام حنف، جنگ خاور، جنگ زیتون، جنگ خیبر، جنگ بیر الامم ان کی لکھی ہوئی بزمیہ اور رزمیہ مثنویاں ہیں، جو کشمیری ادبی خزانے میں مزید اضافے کا باعث بنیں۔ عبدالغفار فارغ۔ یوسف زلیخا، ملہ نامہ، مسدس حالی ان کی تصانیف ہیں۔

پیر محی الدین مسکین ''زیبا نار''، ''چندر بدن''، ''ہیر رانجھا''، سوہنی مہیوال جیسی ممتاز مثنویاں کشمیری زبان میں ترجمہ کر کے کشمیری ادب کا حسن دوبالا کرنے کے ساتھ ساتھ آنچل بھر دیا۔ حاجی محی الدین مسکینؔ نے ''وامق عذرا''، یوسف زلیخا''، ''چندر بدن''، ''گلنور'' اور تاریخ کبیر'' بھی لکھا ہے۔

خضر ملک صفائی نے آٹھ مثنویاں لکھ کر کشمیری ادب کی سرحدیں اور بھی پھیلا دیں۔ ان آٹھ مثنویوں میں ''قصص الانبیاء''، ''جنگ عجم''، ''شاہنامہ'' اور باغ شہداء بھی شامل ہیں۔

پیر عزیز اللہ حقانی کی مشہور و مقبول مثنویاں ''جوہر عشق''، ''چندر بدن''، قصہ ممتاز بے نظیر'' اور ''روضتہ الشہداء'' ہیں۔

محمد اسمٰعیل نامی:۔ ''جنگ خندق'' اور ''جنگ احد'' ان کے لکھے ہوئے رزمیے ہیں۔

حاجی محمد الیاسؔ:۔ ''خنجر عشق'' اور قصہ ممتاز بے نظیر'' ان کی لکھی ہوئی مثنویاں ہیں۔

درویش عبدالقادر نے مثنوی ''یوسف زلیخا'' لکھی ہے۔

مولوی احمد اللہ ہاکباری:۔ ان کی تصانیف ''قصہ بی بی تمیزہ''، ''ضرویات دین''

''قصہ امارضا''، ''بہشت بہشت''، ''توصیف ایمان''، ''تنبیہہ المسلمین''، ''کاشر کریما'' ''اعجاز اخیری''، ''گلشن کرامات'' '' خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ'' ''چہل قصہ''، ''نعوت ومناقب''، ''غزلیات''، ''طوطی نامہ''، ''قصہ سلطان جمجمہ'' اورغوثیہ شریفہ پر مبنی ہیں۔

اکرم بقال دردمندرداوی لد۔ مہرو ماہ ان کی تصنیف کردہ مثنوی ہے۔

مہدی ترالی:۔ ترال کے رہنے والے اس مثنوی گوشاعر نے پانچ مثنویاں لکھی ہیں۔ ''قصۂ اصحاب کہف''، ''احوال قیامت''، ''چندر بدن''، ''داستان ریا اور ''جنگ خیبر''۔

عاشق ترالی:۔ یہ بھی ترال کے ہی رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے ''زہرہ و بہرام''، ''گلزارِ حسن''، ''عبرت نامہ'' اور ''نورنامہ'' مثنویاں لکھیں ہیں۔

یہ تھے کچھ مشہور ومعروف مثنوی گوشاعروں کے کارناموں اور کشمیری مثنوی کے سفر کا مختصر سا معلوماتی تعارف۔ مثنوی لکھنے کا رواج اب ختم ہو چکا ہے۔ البتہ فاروق نازکی صاحب نے مہہ جبین (ترجمہ) مثنوی لکھ کر لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی۔ اُنہوں نے ابتداء بھی مہہ جبین سے کی اور خاتمہ بھی مثنوی لکھنے کا یا ترجمہ کرنے کا اسی سے ہوا۔

جناب معراج ترکویؔ نے اپنی کتاب کا پیش لفظ مثنوی فارم میں ہی شوقیہ طور پر لکھا ہے۔ ورنہ اس صنف کا خاتمہ سالوں پہلے ہو چکا ہے۔ مثنوی لکھنے کے لئے ایک طویل وقت درکار ہوتا ہے جو کہ اب لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ زندگی کا چلن برق رفتاری اختیار کر چکا ہے، لہٰذا لوگ عدیم الفرصت بن گئے ہیں۔

حواشی

۱۔ اردو شعریات ظ۔انصاری، اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی حضرت بل، ۱۹۸۷ء

۲۔ اردو شعریات ظ۔انصاری، اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی حضرت بل، ۱۹۸۷ء، ص ص ۱۶۰۔۱۵۹

۳۔ نوٗ وکاشرِ ادبُک تواریخ۔ شفیع شوق، ناجی منور، شعبہ کشمیری، کشمیر یونیورسٹی حضرت بل سری نگر، ۱۹۹۲ء ص ۱۰۳

۴۔ ''پُرسان''، ناجی منور۔ جے کے پرنٹنگ پریس، سرینگر ۱۹۹۸ء ص ص ۲۰۱۔۱۹۹

۵۔ ''سام نامہ'' غلام خیال ا۔۱۹۶۲ء

۶۔ نوٗ وکاشرِ ادبُک تواریخ۔ شفیع شوق، ناجی منور، شعبہ کشمیری، کشمیر یونیورسٹی حضرت بل سری نگر، ۳۰۔۱۲۸

کتابیات

۱۔ نوٗ وکاشرِ ادبُک تواریخ — شفیع شوق۔ ناجی منور

۲۔ پُرسان — ناجی منور

۳۔ سام نامہ — مکھن لال بُلبل — مُرتب۔ غلام نبی خیال

۴۔ جنوبی ہند کی تاریخی مثنویاں — گندن لال گندن

۵۔ مقدمہ شعر و شاعری — الطاف حسین حالی

۶۔ اردو شعریات — ظ۔انصاری